السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زید متوفی کا پسر کلاں مال تجارت نفع و نقصان میں نصف کا شریک ہے اور شروع میں اصل مال تخمینا پانسوروپیہ کا تھا اور یہ مال مذکور بھی بطور قرض دونوں کے نام ذمہ تھا بفضلہ تعالیٰ اس مال مذکور سے بکوشش پسر کلاں اس قدر ترقی ہوئی کہ ہزاروں تک نوبت پہنچی کیونکہ باپ عرصہ درازسے بے تعلق رہا کرتا تھا اور پسر کلاں کے بھوسے پر کاروبار تجارت چھوڑرکھا تھا اور بعد ہونے ترقی اموال وہ قرض بھی ادا کیا گیا اور جائیداد بھی دونوں کے نام سے خریدی گئی اور لایسنس بھی دونوں کے نام سے ہوا۔ کاغذات بھی دونوں کے نام سے موجود ہیں سرکار میں دونوں کے نام موجود ہیں ایک بار کسی غفلت سے دوبارہ لایسنس جرمانہ ہوا تو دونوں پر علیحدہ علیحدہ ہوا اور کاروبار تجارت دونوں کے نام سے جاری ہیں اور جہاں کہیں مال جاتا ہے یا کہیں سے آتا ہے تو دونوں کے نام سے جمع خرچ ہوتا ہے۔

اگر خدانخواستہ اس وقت کچھ قرض ہوتا تو پسر کلاں کی گردن پھنستی کیونکہ کاروبار عرصہ درازسے پسر کلاں کررہا ہے اور خط کتابت حساب کتاب وغیرہ سب پسر کلاں اپنے آپ خود کرتا ہے اور زید متوفی اپنی حیات میں بخیال اس کے کہ پسر کلاں میرا شریک ہے جو اشیاء متعلق حوائج اکل و شرب وغیرہ دکان سے جاتی تھی نصف اپنے یہاں رکھتا تھا اور نصف پسر کلاں کو دیتا تھا ایک دفعہ ایسا اتفاق بھی ہوا کہ مصارف روزمرہ کے واسطے تنخواہ مقرر ہوئی وہ بھی نصفا نصف یعنی 22 روپے ماہوار پسر کلاں کی آمدنی دکان سے مقرر ہوئی اب پسر کلاں مدعی ہے کہ نصف مال جائیداد میرا ہے لہٰذا علمائے دین سے سوال ہے آیا پسر کلاں کا دعوی درست ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته!

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

صورت مسؤلہ میں پسر کلاں کا دعویٰ کہ نصف مال جائداد میرا ہے، درست ہے، اس لیے کہ یہ شرکت جو مابین باپ بیٹے کے تھی، ابتدائً تو شرکتِ ملک تھی، کیونکہ اس اصل مال کے دونوں مالک تھے، جس کو دونوں نے بطور قرض کے حاصل کیا تھا، چنانچہ درمختار مع ردالمحتار (۳/۳۳۳چھاپہ دہلی) میں ہے:

''شرکة ملک، وھی أن یملک متعدد اثنان فأکثر عینا (إلی قوله) بارث أو بیع أو غیرھما بأي سبب کان۔۔۔الخ''

[شرکت ملک ہے، یہ کہ متعدد افراد دو یا اس سے زیادہ اصل مال کے مالک ہوں۔۔۔ وراثت کے ذریعے یا بیع کے ذریعے یا ان کے علاوہ کسی بھی سبب کے ذریعے]

لیکن اس کے بعد جب دونوں نفع و نقصان تجارت میں نصفا نصف کے شریک ہوگئے اور اسی کے مطابق تاحیات زید متوفی برابر کارروائی کرتے آئے، جیسا کہ عبارتِ سوال میں مصرح ہے تو یہ شرکت شرکتِ عقد ہوگئی اور شرکتِ عقد تین طرح کی ہوتی ہے: شرکت بالمال۔ شرکت بالوجود۔ شرکت بالاعمال۔ فتاویٰ عالمگیری (۲/۳۰۷چھاپہ کلکتہ) میں ذخیرہ سے منقول ہے: ''أما شرکة العقود فأنواع ثلاثة: شرکة بالمال، وشرکة بالوجود، وشرکة بالأعمال'' اھ[رہی شرکتِ عقود تو اس کی تین قسمیں ہیں: 1۔ شرکت بالمال 2۔ شرکت بالوجود 3۔ شرکت بالاعمال]

یہ شرکت اقسام ثلاثہ مذکورہ میں سے پہلی قسم (شرکت بالمال) ہے اور یہ ظاہر ہے، پھر شرکت بالمال کی بھی دو قسمیں ہیں: 1۔ مفاوضہ و 2۔ عنان۔ اگر شرکت بالمال میں شریکوں کا مالاً و ربحاً و تصرفاً و نفعاً و ضرراً مساوی ہونا شرط ہو تو شرکت مفاوضہ ہے، ورنہ عنان ہے۔ فتح القدیر (۲/۸۱۳چھاپہ نول کشور) میں ہے:

''العقد إما أن یذکر فیه مال أولا، وفی الذکر إما أن تذکر المساواة فی المال وربحه وتصرفه ونفعه وضرره أولا، فإن شرط ذلک فھو المفاوضة وإلا فھو العنان'' اھ

[عقد میں مال کا ذکر ہوگا یا نہیں، ذکر کی صورت میں مالاً و ربحاً و تصرفاً و نفعاً و ضرراً مساوی ہونا شرط ہوگیا یا نہیں، اگر شرط ہو تو یہ شرکت مفاوضہ ہے ورنہ عنان]

تو اس شرکت میں بھی اگر امور مذکورہ میں مساوات شرط تھی تو مفاوضہ ہوگی، ورنہ عنان ہوگی اور دونوں صورتوں میں یعنی خواہ یہ شرکت مفاوضہ ہو یا عنان ہو، پسر کلاں کا دعویٰ مذکورہ درست ہے۔ مفاوضہ کی صورت میں تو درست ہونا ظاہر ہے، اس لیے کہ مفاوضہ میں مالاً و ربحاً مساوات شرط ہی ہے، جیسا کہ فتح القدیر سے معلوم ہوا۔ نیز فتاویٰ قاضی خان (۴/۹۴چھاپہ نولکشور) میں ہے: ''ویتساویان فی رأس المال (إلی قوله) ویشترط التساوي فی الربح أیضاً'' اھ[اصل مال میں وہ مساوی ہوں گے۔۔۔ نفع میں بھی برابری کی شرط ہوگی] درمختار (۳/۳۳۷) میں ہے: ''وتساویا مالا تصح به الشرکة، وکذا ربحا کما حققه الوالی'' اھ[مال اور نفع میں برابری کی بنیاد پر شرکت درست ہے جیسا کہ والی نے اس بات کو ثابت کیا ہے]

عنان کی صورت میں اس لیے درست ہے کہ عنان میں اگرچہ مساوات مذکورہ شرط نہیں ہے، بلکہ جائز ہے کہ دونوں شریک اصل مال میں برابر نہ ہوں اور نفع میں برابر ہوں یا اصل مال میں برابر ہوں اور نفع میں برابر نہ ہوں، بلکہ جو شریک تجارت کے کاروبار کو تنہا انجام دیتا ہو یا اور شریک سے زیادہ تجارت کا کام کرتا ہو، اس کو نفع میں زیادہ حصے کا مستحق ٹھہرانا بھی جائز ہے اور اس صورت میں وہ زیادہ حصہ کا مستحق ہوگا اور جب وہ زیادہ حصے کا مستحق ہوا تو نصف کا تو بطریق اولیٰ مستحق ہے۔

''ردالمحتار'' (۲/۳۴۱) میں ہے:

قولہ : مع التفاضل فی المال (دون الربح) أي بأن یکون لأحدھما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي فی الربح۔ وقولہ : وعکسہ أي بأن یتساوی المالان، ویتفاضلا فی الربح، لکن ھذا مقید بأن یشترطا الأکثر للعامل منھما أو لأکثرھما ’’عملاً۔۔۔الخ‘‘

اس کا قول : مال میں برابر نہ ہونے کے ساتھ (نفع کے سوا) یعنی مثلاً : ایک کا مال ایک ہزار اور دوسرے کا دو ہزار ہو اور ان دونوں نے نفع میں برابری کی شرط لگائی ہو اور اس کا یہ قول : اور اس کے برعکس ’’یعنی مال میں [وہ دونوں برابر ہوں اور نفع میں برابر نہ ہوں، لیکن یہ اس بات کے ساتھ مقید ہے کہ وہ عامل کے لیے زیادہ (نفع) کی شرط لگائیں یا اس کے لیے جو کام زیادہ کرنے والا ہو۔۔۔الخ

اور اگر اس شرکت میں ابتدائے حالت کا لحاظ کیا جائے، یعنی صرف شرکتِ ملک کا اعتبار کیا جائے اور شرکتِ عقد سے قطع نظر کیا جائے، تب بھی پسرِ کلاں کا دعویٰ مذکورہ درست ہے، کیونکہ شرکتِ ملک میں اصول یہ ہے کہ جس قدر مال میں ترقی ہوتی ہے، ہر ایک شریک بقدر اپنی اپنی ملک کے اس کا مالک ہوتا ہے اور جب صورتِ مسؤلہ میں دونوں (باپ بیٹے) اصل مال میں برابر کے شریک ہیں، تو جس قدر ترقی ہوئی ہے، اس میں بھی دونوں برابر کے مالک ہوں گے۔ فتاویٰ عالمگیری (۲/۴۰۶) میں ہے : ’’وحکمھا أي حکم شرکۃ الملک علی قدر الملک‘‘ اھ [اور ان دونوں کا حکم، یعنی شرکتِ ملک کا حکم ملک کی مقدار کی بنیاد پر ہے

الحاصل صورتِ مسؤلہ میں پسرِ کلاں کا دعویٰ مذکورہ ہر طرح درست ہے۔ اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ جب باپ بیٹے مل کر کوئی پیشہ کریں تو ایسی صورت میں کل کمائی باپ ہی کی قرار دی جاتی ہے اور بیٹا صرف معین سمجھا جاتا ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری (۲/۳۳۶) اور در مختار (۳/۳۴۹) میں ہے :

’’الأب والابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ، ولم یکن لھما شيء فالکسب کلہ للأب إن کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا لہ‘‘ اھ

[باپ اور بیٹا ایک ہی پیشے میں کام کرتے ہوں اور دونوں کے پاس کچھ نہ ہو تو تمام آمدنی باپ کی ہوگی بشرطیکہ بیٹا اس کے عیال میں ہو، اس لیے کہ وہ اس کا معین شمار ہوگا]

تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ بات علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں صحیح ہے کہ باپ بیٹے دونوں مل کر کوئی پیشہ کریں اور دونوں خالی ہاتھ ہوں، یعنی کچھ نہ رکھتے ہوں اور بیٹا باپ کے عیال میں بھی ہو، یعنی بیٹے کا باپ پر بوجہ اس بیٹے کے نابالغ ہونے کے یا کسی اور وجہ سے نفقہ واجب ہو، چنانچہ ان دونوں شرطوں کی تصریح خود عبارت منقولہ اعتراض میں موجود ہے۔ یعنی : یعنی قولہ : ’’ولم یکن لھما شیئ‘‘ وقولہ : ’’إن کان الابن فی عیالہ‘‘ [[اس کا یہ قول کہ ان دونوں کے پاس کچھ نہ ہو اور اس کا یہ قول کہ بیٹا اس کے عیال میں ہو

ما نحن فیہ میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ اول تو اس لیے کہ جب دونوں نے مال بطورِ قرض حاصل کر لیا تو دونوں مال کے مالک ہوگئے تو خالی ہاتھ باقی نہ رہے اور ثانی کا فقدان عبارتِ سوال سے متبادر ہے اور مسئلہ مذکورہ اعتراض کے علی الاطلاق صحیح نہ ہونے کی تائید مسئلہ ذیل سے بھی بخوبی ہوتی ہے، جو فتاویٰ عالمگیری (۲/ ۴۵۱) میں مندرج ہے :

قال الخجندي : ویجوز للأب والوصی أن یشترکا بمال أنفسھما مع مال الصغیر، ولو کان رأس مال الصغیر أکثر من مال رأس مالھما، فإن أشھدا یکون الربح علی الشرط، وإن لم یشھدا یحل فیما بینھما وبین اللہ تعالیٰ، لکن القاضی لا یصدقھما، ویجعل الربح علی قدر رأس المال، کذا فی السراج الوھاج‘‘ اھ

خجندی نے کہا ہے : باپ اور وصی کے لیے جائز ہے کہ وہ صغیر کے مال کے ساتھ اپنے مالوں کے ساتھ شرکت کریں۔ اگرچہ صغیر کا اصل مال ان دونوں کے اصل مال سے زیادہ ہو، پس اگر ان دونوں کو گواہ بنایا جائے تو نفع شرط کی بنیاد پر ہوگا اور اگر ان کی گواہی نہ دلوائی جائے تو یہ معاملہ ان دونوں اور اللہ کے درمیان ہوگا، لیکن قاضی ان کی تصدیق نہیں کرے گا اور نفع اصل مال کی مقدار کی بنیاد پر تقسیم کرے گا۔ ’’السراج الوھاج‘‘ میں بھی ایسے ہی ہے]

وجہ تائید یہ ہے کہ اس مسئلے میں طفل صغیر جو تجارت میں باپ کا شریک ہے، نفع میں بھی باپ کا شریک مانا گیا ہے اور اگر مسئلہ مذکورہ اعتراض علی الاطلاق صحیح ہوتا تو اس مسئلے میں بھی طفل مذکور نفع میں شریک نہ مانا جاتا۔

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

مجموعہ فتاویٰ عبداللہ غازی پوری

کتاب البیوع، صفحہ: 633

محدث فتویٰ